احکام و مسائل

عید کا چاند

انگلینڈ سے ایک فاضل نے استفسار فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

یہاں پر حسب سابق اس دفعہ بھی عید پر مسلمانوں میں خاصا اختلاف پیدا ہوا اور تین مختلف دنوں میں عید کی گئی اور اس سلسلے میں تین گروہ بن گئے۔ اس مسئلے پر میں آپ کا نقطۂ نگاہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ صورت حال کچھ اس طرح بنی۔

پہلا گروہ یہ کہتا ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے اور انگلینڈ کا مطلع مراکش کے قریب ہے۔ لہٰذا مراکش کی اطلاع کے مطابق روزہ رکھا جائے اور عید کی جائے۔ اس گروہ کی قیادت دیوبندی علماء کے ہاتھ میں ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ پاکستان کی خبر کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ ان کے پاس کوئی خاص شرعی دلیل نہیں ہے۔ اس گروہ کی قیادت بریلوی پیروں کے پاس ہے۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ برطانیہ میں مطلع سال بھر ابر آلود رہتا ہے، اس لیے یہاں رؤیت کا ثبوت ممکن نہیں۔ اس لیے کسی دوسرے اسلامی ملک کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور جب مطلع کے اختلاف کے بارے میں کوئی واضح شرعی دلیل نہیں ہے تو یہاں کے مسلمانوں کو جہاں سے بھی پہلے خبر مل جائے اس کی تصدیق کر کے قبول کر لینا چاہیے اور یہ خبر اکثر سعودی عرب سے ہی آتی ہے۔ اس لیے سعودی عرب کی پیروی کرنی چاہیے۔ یا جس اسلامی ملک میں پہلے رؤیت ثابت ہو جائے۔ یہ سعودی عرب سے آئے ہوئے اہم دعاۃ کا موقف ہے، اس موقف کی تائید یہاں یوکے اسلامک مشن (جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم) اور جمعیت اہل حدیث اور پڑھے لکھے حلقوں نے کی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ سعودی عرب میں شرعی نظام نافذ ہے اور وہ تمام مسلمانوں کا روحانی مرکز ہے۔ اس لیے برطانیہ کے مسلمانوں کو وہاں کی رؤیت غیر مشروط طور پر تسلیم کر لینی چاہیے۔

اس بارے میں آپ بھی اپنی علمی تحقیق سے مستفید فرمائیے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس موضوع پر خوب بحث کی جائے اور یہاں کے مسلمانوں کو کسی ایک نکتے پر متحد کیا جائے۔

(لندن۔ برمنگھم ۸۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۷ء)

الجواب

خط میں جس حد تک گنجائش تھی اس کی تفصیل عرض کر دی گئی ہے، جس کو یہاں مزید قدرے تفصیل سے پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہو الموفق و الیہ انیب۔

اختلاف ۔ علمی اور تحقیقی امور میں اختلاف برا نہیں ہے۔ ہاں اگر وہ شکست و ہار کا موضوع بن جائے تو ملتِ اسلامیہ کے لیے اس سے بڑھ کر اس کی عافیتوں کے لیے اور کوئی غارت گر شے بھی نہیں ہے۔

ہم جب اختلاف کی درازی عمر اور اس کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ علمی کی بجائے تقلیدی زیادہ نظر آتا ہے، جو بہر حال محمود نہیں ہے۔ فقہی مسائل میں اختلافات کا پس منظر بھی عموماً یہی رہا ہے۔ اگر علمی ہوتا تو آج تک جتنی ان مسائل پر لے دے ہوئی ہے تو وہ منقح ہو جاتا اور ملی وحدت کے لیے ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوتا۔ چونکہ اس اختلاف کے پس پردہ "فرقہ وارانہ" ذہنیت کا ہاتھ رہا ہے، اس سے اس اختلاف سے "ائتلاف" کے امکانات روشن ہونے کے بجائے اور بھی اختلافات بڑھے ہیں اور ایک فن بن کر بڑھے ہیں اس لیے ان کی تحقیق و تدقیق برکت سے محروم رہی ہے۔

پہلا گروہ کا ۔ دیوبندی علماء کرام نے جو موقف اختیار کیا ہے گو وہ صحیح ہے تاہم وہ ان کا نجی نکتۂ نظر ہے، ان کا سرکاری مسلک نہیں ہے کیونکہ حنفی فقہی نظریہ یہ ہے کہ: اختلاف مطالع کوئی شے نہیں ہے۔

ولا اعتبار باختلاف المطالع حتی تالوا لو، رای اهل المغرب هلال رمضان یجب بروئیتهم علی اهل المشرق اذا ثبت عندهم بطریق موجب (مجمع الانهار- مصری)

لیکن "طریق موجب" (یقین اور استفاضہ) کے لیے انھوں نے جو شرائط اختراع کی ہیں ان کے یہ معنی بنتے ہیں کہ ع

نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی

اس کے بعد "مراکش" تو بڑی بات ہے، خود انگلینڈ اور اس کے مضافات کے لیے رؤیت ہلال کا ثبوت بھی جوئے شیر لانے والی بات بن جاتی ہے۔

دنیا میں ایک گھپلا، علمی شاہراہ بن گیا ہے کہ ملک میں اگر چاند ہو تو اسے سارے ملک کے لیے ہلالِ عید تصور کیا جائے، اگر نہ ہو تو اسے اس کے کسی حصے کے لیے بھی "ہونا" تصور نہ کیا جائے۔

حالانکہ خدا نے "چاند" کو علاقائی بنیادوں پر نہیں پھیلایا بلکہ اسے دنیا پر دراز کیا ہے لیکن "حصہ رسدی" کے مطابق "جہاں جہاں" اس کا ظہور رہو، وہاں وہاں عید منالی جائے۔ دوسرے اس کی آمد اور ظہور کا انتظار کریں۔ بالکل یوں جیسے نماز کے اوقات کارکی بات ہوتی ہے کہ جب جہاں وقت ہو جائے، وہ وقت کے مناسب نماز ادا کرلیں، دوسرے اس کے آنے کا انتظار کریں۔ ایسا نہیں کہ حجاز میں مثلاً اگر نماز ظہر کا وقت ہمارے وقت کے مطابق دن کے دس بجے ہو گیا ہے تو ہم کو بھی دس بجے ہی نماز ادا کر لینی چاہیے۔ بات یہ ہے کہ جس طرح سورج سے ہمارے اوقات وابستہ ہیں اسی طرح چاند کا بھی معاملہ ہے: یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہِلَّۃِ ؕ قُلۡ ہِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ (پ۲۔ بقرہ ع۲۴) اس لیے ہم کہتے ہیں کہ مثلاً اگر جدّہ اور کراچی کا مطلع ایک ہے تو ان دونوں کو چاند ہونے پر آج عید کر لینی چاہیے۔ دوسرے کو اگلے دن اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ چاند پر علاقوں کو تقسیم کیجیے، چاند کو علاقوں پر تقسیم نہ کیجیے! کیونکہ یہ قلب موضوع کی مکروہ شکل ہے۔

دوسرا گروہ۔ گو ان کے پاس دلیل نہیں ہے تاہم حنفی مسلک یہی ہے لیکن ان کا یہ بے تکا پن کہ: پاکستان کی خبر کے مطابق عمل کرنا چاہیے، ان کی روایتی بے ڈھنگی کے عین مطابق ہے کیونکہ جب مطالع کا اعتبار ساقط ہو گیا تو پھر پاکستان کی قید فضول ہے کیونکہ چاند کہیں ہو ان کے مسلک کے مطابق جب "بطریق موجب" اس کی اطلاع مل جائے تو سب کو ہر جگہ عید کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ فاصلہ مشرق و مغرب کا فاصلہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ "طریق موجب کے ساتھ" یہ خبر کس طرح موصول ہو سکتی ہے، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلی فون، تار وغیرہ؟ مگر احناف کے نزدیک یہ ذرائع قابلِ اعتبار نہیں، اگر اس کا اعتبار کر بھی لیا جائے تو بھی اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ عید کا مدار شہادت پر ہے جس میں "اشہد" (میں گواہی دیتا ہوں) کہنا شرط اولیں رکن ہے۔ اب اس کے لیے وحی الٰہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے، بشرطیکہ "عید" کے اس مخمصہ سے نکلنے کے لیے کسی نئے نبی کا سلسلہ جاری کیا جائے۔

باقی رہا ان کے ہاں "عدم دلیل" کا رواج؟ سو وہی ان کی "تقلید" کی جان ہے۔ اگر دلیل آگئی تو یہ مارے گئے۔ "تقلید دم توڑ دے گی اور عقل و ہوش سے عاری ان کی رسومات اور اوہام کا جنازہ نکل جائے گا۔ فقہاء کے نزدیک بھی "عدم دلیل" تقلید کا جزو ہے۔ باقی رہے کتاب و سنت کے ان کے نعرے؟ تو وہ گرمیٔ محفل کے لیے ہیں یا محض جذباتی!

تیسرا گروہ۔ جس کے وہاں کے اہلحدیث، جماعت اسلامی اور آپ نقیب ہیں، وہ بھی

دلیل سے خالی ہیں۔ نہ ہی کسی فارمولے کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ ہاں جن اسلامی ممالک کا آپ نے نام لیا ہے اور جس سدابہار "ابرو باد" کا آپ نے ذکر کیا ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی مطالع کا اعتبار ہے نہ فان غُمَّ علیکم فاقدروا لہ (بخاری) کے لیے وہاں کوئی گنجائش محسوس کی جاتی ہے ! اگر یہ صحیح ہے تو پھر ان کے موقف کی اساس اور کیا ہے؟

راقم الحروف کے نزدیک یہ موقف بھی محل نظر ہے، کیونکہ اختلاف مطالع کو نظر انداز کرنا دراصل حدیث صُومُوا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ (بخاری) کے مصداق پر پانی پھیرنے والی بات ہے۔ حدیث میں جس رؤیت کا ذکر ہے اس سے مراد چاند کا وہ دائرہ ہے جہاں وہ نمودار ہو کر دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو پھر "لرؤیتہ" کی قید ایک تکلف ہے جو ایک فرضی ہالہ کے گرد گھوم رہا ہے۔ حالانکہ اسلام اور اس کے علمی فرامین "خیالی پلاؤ" کا نام نہیں ہے۔ وہ ایک حقیقت ہے جس کا خارج میں مصداق محسوس اور مشہود ہونا چاہیے۔

ہم اس بات پر حیران ہیں کہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ "جہت مغرب" کے اقصیٰ میں جو ممالک آتے ہیں، وہاں ان ممالک سے پہلے چاند نمودار ہوتا ہے جو مشرق اقصیٰ میں ہیں تو پھر اس فارمولے کے مطابق "رؤیت قمر" کی سرورری تو صرف "جہت مغرب" میں آباد ممالک کے لیے رہ جائے گی، ہمیں تو بنی بنائی عید ہاتھ لگ جایا کرے گی ؟ کیونکہ ازل سے چاند کا یہ تعامل معروف ہے۔ اس میں قطعاً کوئی ریب اور شک نہیں ہے۔ نہ ایسے بدیہی حقائق کیلیے روایتی "تثبت" کی تلاش مناسب ہوتی ہے۔ کما جاء فی کتب الاصول۔

جب جہت مغرب میں کسی جگہ عید یقینی ہو جاتی ہے تو آپ کو کیا پڑی ہے کہ آپ یہاں "ہلال کمیٹیاں" تخلیق کرتے پھریں یا گواہ ڈھونڈھتے پھریں۔ اختلاف مطالع سے صرف نظر ایک غیر فطری اور غیر عقلی گورکھ دھندا ہے جو ایک دانشمندانہ اقدام کی اساس نہیں بن سکتا۔ حیرت ان فقہاء پر ہے جنھوں نے چاند ہونے کی راہ کے تمام حجابات اٹھا دیے ہیں لیکن اس سے استفادہ کرنے کے لیے "راہ میں" شرائط کے حجابات کے وہ پہاڑ کھڑے کر ڈالے ہیں جن کو دیکھ کر یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ اگر خود چاند بھی یہاں سے گزرے گا تو یقیناً اس کو بھی بریک لگ جائے گی، وہ راستہ بند پا کر واپس پلٹ جائے گا۔

الغرض: اختلاف مطالع کے سارے حجابات اٹھا کر چاند سے مصافحہ کرنے کے لیے راہ صاف کر دی لیکن شرائط کے حجابات کے پہاڑ کھڑے کر کے پھر اس راستہ کو پاٹ دیا ہے گویا کہ

اس ہاتھ سے دے کر دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیا۔

غور فرمائیے! وہ فرماتے ہیں کہ اس چاند کے لیے "خبر" بھی کافی نہیں شہادت ضروری ہے، پھر فرماتے ہیں۔ اس کے لیے ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلیویژن، تار اور کشف و رؤیا کی اطلاع بھی مفید نہیں کیونکہ وہ خبر دیتے ہیں، شہادت نہیں دیتے۔ شہادت کے لیے جو شرائط ہیں، ان کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے لیے کوئی شبلی اور جنید ہی ہو تو کام چلے گا ورنہ نہیں۔ پھر شہادت علی الشہادت یا شہادت علی قضاء القاضی کے جو چکر چلے ہیں، ان میں پڑ کر چاند کا ہوش کہاں، خود ہی انسان چکرا کر رہ جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ: دنیا میں آئے ہو اور یہاں رہنا ہے تو کچھ عقل و ہوش سے بھی کام لینے کی اجازت دی جائے۔

باقی رہا "بادلوں" کا سدا چھایا رہنا؟ اگر کبھی کسی مہینہ میں کوئی چاند نظر نہیں آتا تو یہ واقعی اضطرار ہے۔ راقم الحروف کے نزدیک اس کے حل کی یہ دو صورتیں ہیں۔

وہ علاقہ یا اس کے جس ملک کے ساتھ "مطالع" میں وحدت رکھتا ہے وہ اس کے تابع رہے۔ مثلاً انگلینڈ کا سارا ملک تو نہیں لیکن اس کے بعض اضلاع کا مطلع اگر پڑوس کے ملک کے مطالع کا حصہ ہے تو اس میں جب عید ہو جائے، اگلے دن انگلینڈ کے باقی ماندہ ان علاقوں کو عید منا لینی چاہیے جن کا مطلع ایک ہے اور پڑوس والے ملک سے منفصل ہے۔

دوسرا یہ کہ وہ تقویم سے کام لیں، گو یہ عام حالت میں جائز نہیں ہے تاہم اب اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں ہے کیونکہ یہ اضطراری صورت ہے۔ اگر فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُم والی حدیث پر عمل کیا جائے تو یہاں کی ہجری تقویم کا تیا پانچہ ہو جائے کیونکہ ہر ماہ، ماہ کے تیس دن شمار کر نا سال کے ڈھانچہ کو بھی متاثر کیے بغیر نہیں رہے گا۔

حدیث: انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب (بخاری) سے مراد، اہل عرب، بالخصوص قریش کی حالت واقعی کا ذکر ہے، یہ ایک خبر ہے، انشاء نہیں ہے۔ یعنی ہم جس حال میں ہیں اس سے زیادہ کے مکلف بھی نہیں ہیں، اور یہ دینِ فطرت کا خاصہ ہے کہ انسانی بساط جتنی اور جیسی کچھ ہوتی ہے، وہ انسان اسی حالت میں اسلامی نظام سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اس کو جو حضرات "حقائق جدیدہ" سے "جاہل" یا ان سے "دور" رہنے کے لیے وجہ جواز بناتے ہیں۔ معاف کیجیے! وہ "ملت اسلامیہ" کے لیے کوئی قابل فخر "دریافت" نہیں پیش کر رہے بلکہ ہمیں ان سے استفادہ کرنا چاہیے اور پوری محنت سے منقح کر کے استفادہ کرنا ہے، اس کے باوجود اگر

کوئی کمی رہ جاتی ہے تو ہم بری الذمہ ہیں۔ انشاء اللہ۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

سعودی عرب کا روحانی مرکز ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں لیکن یہ روحانی مرکزیت اس امر کی تو متقاضی ہے کہ سعودی عرب کا فرمانروا عالمِ اسلام کا خلیفہ ہو اور یہ علاقہ دار الخلافہ قرار پائے، اور باقی عالمِ اسلام اس کے ذیلی صوبے اور انتظامی اکائیاں رہیں۔ اس سے ملی شیرازہ بندی زندہ رہے گی اور اخوت اسلامی مشہود ہو کر عالمِ اسلام کی طاقت کا سرچشمہ ثابت ہو گی۔ لیکن یہ بات کہ یہ علاقہ "ماخذ شریعت" بھی قرار پائے؟ غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن ائمہ دین نے اہل حرمین یا اہلِ مدینہ کے تعامل کو دینی ماخذ قرار دیا تھا، جمہور ائمہ نے ان سے اتفاق نہیں کیا۔ اور جن ائمہ نے ان کے تعامل پر نگاہ رکھی تھی وہ بھی صحابہ اور تابعین کے دور کی بات کرتے ہیں۔ بعد کے عہد اور دور کا ذکر نہیں کرتے۔

اختلاف مطالع کی حد کیا ہونی چاہیے؟ یہ ماہرین کے حل کرنے کا مسئلہ ہے اور وہ اس کو آسانی سے حل کر سکتے ہیں، یہاں پر غلبہ ظن کی حد تک اطمینان کی ضرورت ہے اور وہ ان علوم کے ماہرین کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ باقی رہیں اس سلسلہ کی فقہاء کرام کی احتیاطی تدابیر؟ گو وہ اپنے اخلاص اور جذبۂ خیر کی بنا پر عند اللہ انشاء اللہ ماجور ہی ہوں گے۔ تاہم وہ مصنوعات جدیدہ جن کی افادیت اور ضرورت ایک مسلمہ حقیقت ثابت ہو گئی ہے، ان سے استفادہ کی راہ میں ان احتیاطی تدابیر کو اب حائل نہیں ہونے دینا چاہیے، اور نہ حائل کر کے اضحوکۂ روزگار بننے کے لیے اپنی سادہ لوحی کو نمایاں کرنا چاہیے۔

رؤیت ہلال کمیٹیاں پاکستان میں بھی بنتی ہیں مگر یہ مجھے معلوم نہیں کہ ان کے سامنے فارمولا کیا رہتا ہے۔ اب کے رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین کی تبدیلی سے تو اور بھی ذہنی الجھاؤ بڑھے ہیں، کیونکہ انھوں نے تنقیح معاملہ سے زیادہ اس کے نمٹانے پر سارا زور صرف کر ڈالا ہے اور بالکل یوں محسوس ہوا کہ انھوں نے یوں جلدی مچائی جیسے انھیں یہ اندیشہ ہو کہ چاند کے ہونے کی کوئی خبر نہ آ جائے — بہرحال ہم شروع سے ان کمیٹیوں سے کوئی حسن ظن نہیں رکھتے اور جو مکاتیب فکر شر اٹھائے کچھ کے ذریعے اس سلسلے کی سرکاری خبروں پر چیں بجبیں رہتے تھے، وہ بھی اس سارے سفر میں "منقار زیر پر" اور دم بخود رہے ہیں۔ خدا جانے کیوں؟